از محمد جعفر ملی رحمانی (انڈیا)

ناقص الخلقت کے بارے میں

ایک اہم عدالتی فیصلہ اور اسلامی نقطہ نگاہ

اسقاط حمل کے بارہ میں اسلام کا نقطہ نظر ممبئی کے عدالتی فیصلہ کی تائید کرتا ہے۔

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے زندگی کے ہر شعبہ میں انسانیت کی رہبری و رہنمائی کا فرض انجام دیا، حیات انسانی کا کوئی گوشہ اور کوئی مرحلہ ایسا نہیں، جس کے متعلق اس کے احکام اور قوانین موجود نہ ہوں، اور یہی اس کے کامل و مکمل ہونے کی بین و کھلی دلیل ہے۔

سچ فرمایا میرے خالق، ارض و سما کے مالک، کائنات عالم میں موجود ہر شئ پر قادر اور ہر جاندار کے رازق نے **"الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الإسلام دینا"۔**

غرض تحریر یہ ہے کہ ممبئی کی ایک عدالت میں ایک خاتون، جس کے جنین (Fetus) سے متعلق ڈاکٹروں نے یہ رپورٹ دی کہ وہ ناقص الخلقت (Monster) ہے اور پیدا ہونے کے بعد وہ معمول کی زندگی نہیں گزار سکتا، تو اس خاتون نے عدالت سے یہ درخواست کی کہ مجھے اسقاط حمل کی اجازت دی جائے۔ (انڈین قانون یہ ہے کہ ۲۰ ہفتے گذرنے کے بعد اسقاط حمل کی اجازت نہیں ہے)۔

عدالت کے تین رکنی بینچ نے ملکی قانون کے مطابق فیصلہ سنایا، کہ خواہ بچہ پیدا ہونے کے بعد معمول کی زندگی نہ گذار سکے تب بھی اسقاط حمل کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ورنہ عورتیں اس کو حیلہ بنا کر اسقاط حمل کا جواز تلاش کرلیں گی، عدالت کا یہ فیصلہ بالکل معقول مبنی برانصاف اور مزاج شریعت سے ہم آہنگ ہے، مگر بعض انسانیت دشمن عناصر، جمہوریت اور آزادی کا نعرہ دے کر انسانیت کو حیوانیت میں تبدیل کرنے اور دنیا کو تباہ و برباد کرنے پر تلے ہیں۔ عدالت کے اس فیصلے پر احتجاج کر رہے ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ بچہ جننا یا نہ جننا یہ عورت کا حق ہے۔ اور ملکی قانون عورت کے اس حق میں دخل اندازی نہیں کرسکتا۔

اسقاط حمل سے متعلق اسلامی نقطۂ نگاہ: شریعت اسلامیہ نے نکاح کو اس لیے مشروع فرمایا کہ انسانی توالد و تناسل کا سلسلہ جاری رہے، اور یہ دنیا تا قیامت آباد رہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: (**عن معقل بن یسار قال : قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: تزوجوا الودودَ الولود فانی مکاثرٌ بکم الامم رواه**

ابو داؤد و النسائی ۔ بہت محبت کرنے والی، بہت اولاد جننے والی عورت سے نکاح کرو، کیوں کہ میں تمہاری کثرت کے باعث پچھلی امتوں پر فخر کروں گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح:ص ۲۶۷، کتاب النکاح۔ فضل المعبود شرح سنن ابی داؤد:۳/۲۴۷)

اسی لیے اسلام نے ہر ایسے عمل سے اپنے ماننے والوں کو منع فرمایا، جو شریعت کے اس مقصد سے متصادم ہو، مثلاً: بلاضرورت شدیدہ مانع حمل ادویہ کا استعمال، قتل، نس بندی، اور اسقاطِ حمل وغیرہ۔

روح اور آثارِ زندگی پیدا ہونے (۱۲۰ردن) کے بعد اسقاطِ حمل کی حرمت میں کوئی شک وشبہ نہیں، اس لیے کہ جب حمل میں زندگی پیدا ہوگئی، تو اس کے اور دوسرے انسانوں کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں ہے، اور دوسرا اس دنیا میں آچکا ہے، قتل نام ہے کسی زندہ وجود کے چراغ حیات کو بجھا دینے کا۔ یہ جرم اگر مادرِ بطن میں ہو تب بھی ایسا ہی ہے، جیسا اس دنیا میں آنے کے بعد۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ''و لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم و ایاکم، إن قتلھم کان خِطأً کبیراً''۔ ''اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو، ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی، بیشک انکا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے'' (بنی اسرائیل:۳۱)۔ ''و لا تقتلوا أولادکم'' (اپنی اولاد کو قتل مت کرو) کے مخاطب جہاں وہ لوگ تھے، جو اپنے بچوں کو اس دنیا میں آنے کے بعد زندہ درگور کیا کرتے تھے، وہیں وہ لوگ بھی ہیں جو بطنِ مادر میں پرورش پانے والے بچوں کو زندگی سے محروم کردیں۔

<u>کیا زندگی اور روح پیدا ہونے سے پہلے اسقاطِ حمل جائز ہے؟</u> آثارِ زندگی اور روح پیدا ہونے سے پہلے (یعنی حمل پر ۱۲۰ دن گزرنے سے پہلے) اسقاطِ حمل، قتلِ نفس کے درجہ کا گناہ نہیں ہے، مگر ہے ناجائز ہی۔

چنانچہ درر الحکام میں ہے: ''الجنین الذی استبان بعض خلقه بمنزلة الجنین التام'' ایسا حمل جس کے بعض اعضاء دیکھنے میں آجائیں کامل الخلقت وجود کے درجہ میں ہے۔ اس سلسلے میں اتنی بات یاد رہے کہ انسان خود اپنے جسم کا بھی مالک نہیں ہے، اس کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے بدن کے کسی عضو کو کاٹ ڈالے یا خودکشی کرلے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین أنفسھم و أموالھم بان لھم الجنة'' ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔ (التوبہ:۱۱۱)

ہمارا جسم اور اس کا ہر جزء اللہ کی ملک ہے، ہم اس کی ملک میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی تصرف نہیں کرسکتے، فقہ اسلامی کا قاعدہ ہے ''لا یجوز لأحد ان یتصرف فی ملک الغیر بلا إذنه'' (کوئی انسان دوسرے کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا)۔ (درر الحکام شرح مجلة الأحکام:۱/۹۶، المادۃ:۹۶، بحوالہ جدید فقہی مسائل:۱/۲۹۹، رد المحتار، الدیات، فصل فی الجنین)

قاضی خان نے اس سلسلہ میں نہایت عمدہ بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ: اسقاطِ حمل اگر زندگی پیدا ہونے کے بعد ہو تو ظاہر ہے اسکی حرمت میں کسی کلام کی گنجائش نہیں۔ لیکن اگر زندگی کے ظہور سے پہلے ہی اسقاطِ حمل ہو تب بھی جائز نہیں

ہوگا، اسلیے کہ جب تک روح پیدا نہ ہو جائے حمل کو عورت ہی کا ایک جزء اور حصۂ بدن تصور کیا جائے گا اور جس طرح کسی کا قتل درست نہیں ہے، اسی طرح اپنے جسم کے کسی حصہ کو کاٹ پھینکنا حرام ہے۔ (فتاوی قاضی خان: ۴/ ۳۶۹، الحظر والاباحۃ)

اسقاطِ حمل کے تین مرحلے: اسقاطِ حمل کے فقہاء کرام نے تین مرحلے بیان کیے ہیں:

(۱) حمل میں جان پیدا ہو چکی ہو۔ (۲) جان تو پیدا نہیں ہوئی مگر اعضاء کی تخلیق ہو گئی۔

(۳) ان دونوں سے پہلے کا مرحلہ۔

پہلی صورت کا حکم: اسقاطِ حمل بالاجماع حرام ہے: ''**اسقاط الحمل حرام باجماع المسلمین وھو من الوأد الذی قال اللہ تعالی فیہ. و اذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت**''۔(التکویر: ۸۔۹) (فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ ۳۴/ ۱۰۳، دار الوفاء)

لیکن اگر بچہ بطن مادر میں زندہ ہو اور اس کے اسقاط کے بغیر ماں کی زندگی بچانا ممکن نہ ہو تو اس وقت بھی اسقاط کی اجازت ہونی چاہیے، جیسا کہ مشہور محقق حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی کی رائے ہے۔ اس لیے کہ ان دو ضرر میں سے ''ماں کی موت'' ضرر اعلیٰ ہے، اور بچہ کی موت ضرر اھون ہے، نیز ماں کا زندہ وجود مشاہدہ و معاین ہے، اور بچہ کا مظنون۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶/ ۲۲۵)۔

اور آپ کی یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ فقہ کا قاعدہ ہے: ''**اذا تعارف مفسدتان روعیٰ عظمھما ضررا بارتکاب أخفھما**'' جب دو مفسدوں میں تعارض ہو تو باعتبار ضرر ان میں جو بڑا ہوگا، اسکی رعایت کی جائے گی۔ اخف کا ارتکاب کر کے (یعنی چھوٹے ضرر کو برداشت کیا جائے گا۔ (الاشباہ والنظائر لابن نجیم: ۱/ ۳۲۹)

دوسری صورت کا حکم: اسقاطِ حمل جائز نہیں، اور عام حالات میں سخت گناہ کا باعث ہے، مشہور محقق علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: ''**ولا یخفی انھا تأثم اثم القتل لو استبان خلقہ و مات بفعلھا**'' اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ اگر جنین عورت کے فعل سے مر گیا تو عورت گناہِ قتل کی مرتکب ہوگی۔ (رد المحتار: ۵/ ۳۷۹، نعمانیہ۔ المحلی: ۱۲/ ۳۱۸۔ رد المحتار ۱۰/ ۲۵۵، کتاب الدیات فصل فی الجنین، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

تیسری صورت کا حکم: اعضاء کی تخلیق سے پہلے بھی جب مادۂ منویہ عورت کے رحم میں علوق کر چکا ہو، تو ایسی شکل اختیار کرنا کہ وہ تولید کے قابل نہ رہے، اور خون اور اس کے لوتھڑوں کا اسقاط ہو جائے، درست نہیں۔ چناں چہ علامہ شامیؒ ''علی بن موسیٰ'' سے نقل کرتے ہیں: ''**انہ یکرہ فان الماء بعد ما وقع فی الرحم مآلہ الحیاۃ فیکون لہ حکم الحیاۃ کما فی بیضۃ صید الحرم**''۔ عورت کے رحم میں نطفہ قرار پا جانے کے بعد اس کو برباد کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ عورت کے رحم میں نطفہ جا کر بالآخر زندگی اختیار کر لیتا ہے، اس لیے اس نطفہ پر بھی زندگی کا حکم جاری ہوگا، جیسا کہ حرم میں چڑیا کا انڈا توڑ دینا زندہ چڑیا شکار کرنے کے برابر ہے۔ (رد المحتار: ۵/ ۵۲۲)

کیا ڈاکٹروں کی اس رپورٹ کے بعد کہ جنین ناقص الخلقت پیدا ہونے کے بعد معمول کی زندگی نہیں گزار سکتا، اور وہ اپنے والدین اور سماج کے لیے مستقل بار ہوگا، یا کسی خطرناک موروثی بیماری کا شکار ہوگا، اسقاط جائز ہوگا؟: اس سلسلے میں فتویٰ یہ ہے کہ جب بچہ میں جان پڑ چکی، تو وہ مستقل انسان کے درجے میں ہے، اور جس طرح کسی انسان کے (Micro-Chip) سے یہ معلوم ہونے پر، کہ آئندہ چل کر وہ پاگل ہوگا، یا معمول کی زندگی نہیں گزار سکے گا، تو اس کا قتل جائز نہیں، اسی طرح اس جنین (Fetus) کا اسقاط بھی جائز نہیں، کیوں کہ ڈاکٹروں کی تشخیص (Diagnosis) یقینی نہیں ہوتیں، بل کہ وہ ترجیحی اور ظنی ہوتی ہیں، اور محض ظن پر اسقاط کی اجازت کسی بھی صورت میں نہیں دی جاسکتی۔

''ان الظن لا یغنی من الحق شیئا''۔ (سورۃ النجم:۲۸)

عصر حاضر کے مشہور فقیہ وقانون داں، ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اس سلسلے میں اپنا ایک ذاتی واقعہ پیش کیا۔ آپ فرماتے ہیں: چند سال پہلے کی بات ہے، یورپ سے میرے ایک دوست نے مجھ سے استفتاء (حکم شرعی پوچھنا) کیا کہ ڈاکٹروں کا یہ کہنا کہ آپ کی بیوی کے پیٹ میں جو پانچ مہینہ کا حمل ہے، وہ ناہموار شکل وصورت کا ہے، ان کا یہ قول ترجیحی ہے یقینی نہیں، (اب میں کیا کروں آیا حمل کو ساقط کرادوں یا یونہی چھوڑ دوں)؟

تو میں نے اسے جواب دیا: اللہ کی ذات پر بھروسہ کرو، اور اس معاملہ کو خدا کے سپرد کردو، ممکن ہے ڈاکٹروں کا یہ گمان غلط ثابت ہوجائے۔ (بات آئی، گئی ہوگئی)۔

چند مہینوں کے بعد میرے پاس ایک خط یورپ سے پہونچا، جس میں ایک خوبصورت بچہ کی تصویر تھی، بچہ کے باپ نے بچہ کی زبانی یہ عبارتِ مؤثرہ لکھی تھی۔

''میرے پیارے چچا! اللہ تعالیٰ کے بعد میں آپ کا شکر گزار ہوں، کہ آپ نے مجھے سرجنوں کے نشتروں سے بچالیا، آپ کا فتویٰ میری زندگی کا سبب بنا، میں زندگی بھر آپ کے اس احسان عظیم کو بھلا نہیں سکتا۔ (فتاویٰ معاصرہ:۲/۵۴۸)

نیز ڈاکٹروں کی یہ تشخیص کہ جنین ولادت کے بعد اندھا یا بہرہ، یا گونگا ہوگا، شرعاً قابلِ اعتناء نہیں۔ کیوں کہ اس طرح کے افراد ہمارے معاشرہ میں پہلے سے موجود ہیں، اور ان اعذار کے باوجود وہ عام لوگوں کی طرح نہ صرف زندگی گزار رہے ہیں بلکہ بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں، کیوں کہ یہ خدائی ضابطہ ہے، کہ جب وہ اپنی کوئی نعمت کسی سے چھین لیتا ہے تو دیگر غیر معمولی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ (اور یہ ہمارا مشاہدہ ہے)۔

اس لیے محض ڈاکٹروں کے کہنے پر اسقاطِ حمل، غیر انسانی، غیر اسلامی، غیر قانونی اور قتلِ جنین کے مرادف ہوگا۔ لہٰذا معاشرہ اس امرِ شنیع سے مکمل اجتناب برتے۔